مسخ نظریات، قاتل ذہنیت

گزشتہ چند ہفتوں سے ہم سب پاکستان کی معصوم اور جرائت مند طالبہ ملالہ یوسف ذئی پر طالبان کے بہیمانہ حملہ کے بارے میں اور اس پر دوبارہ حملہ کرنے کی دھمکی کی خبریں پڑھتے رہے ہیں۔ اگر ہم غور کریں تو سوائے اس کے کہ یہ حملہ پاکستان کی ایک ایسی بیٹی پر کیا گیا جو تعلیم کا حق مانگتی تھی اور اس کے بارے میں مسلسل کوشش کر رہی تھی، ایک استثنائی خبر نہیں ہے۔ پاکستان میں اور اسلامی ممالک میں یہ خبریں روزمرہ کا معمول ہیں۔ ملالہ پر حملہ کے چند ہی روز بعد پاکستانی پولیس پر ایک حملہ میں طالبان ایک پولس سپرنٹنڈنٹ اور ایک سپاہی کا سر کاٹ کر لے گئے۔ ایک اور تازہ ترین خبر میں سوات کی رہنے والی ایک اور طالبہ نے بتایا ہے کہ تعلیم مانگنے اور طالبان کے خلاف آواز اٹھانے پر اسے اور اس کے ماں باپ کو سوات چھوڑ کر اسلام آباد میں پناہ لینا پڑی اور انہیں وہاں بھی طالبان کی طرف سے دھمکیاں مل رہی ہیں۔ پاکستان ہی سے بار بار یہ خبریں بھی آتی ہیں کہ وہاں خواتین کو برہنہ کر کے سڑکوں پر پھرایا گیا ہے، عورتوں پر تیزاب سے حملہ کیا گیا ہے، ان کو غیرت کے نام پر قتل کیا گیا ہے، خاندانی اور قبائلی دشمنیوں کے نتیجہ میں جرگوں نے نابالغ لڑکیوں کی شادیاں زبردستی ان کے دشمن خاندانوں میں کروائیں ہیں۔

عورتوں کے حالات صرف پاکستان ہی میں دگرگوں نہیں ہیں بلکہ دیگر مسلم ممالک میں بھی ان کے ساتھ زیادتیوں کی خبریں عام ہیں۔ سعودی عرب میں خواتین کو گاڑیاں چلانے کی اجازت نہیں ہے، اور وہاں عورتیں اپنے سرپرستوں کی اجازت کے بغیر ایک جگہ سے دوسری جگہ سفر نہیں کر سکتی۔ اجازت دینے والے سرپرست صرف ان کے مرد رشتہ دار ہو سکتے ہیں جن میں ان کے باپ، بھائی، یا شوہر شامل ہیں، یا ایسے مرد جنہیں قانونی طور پر سرپرست تسلیم کیا گیا ہو۔ اگر ہم مسلم ممالک سے ہٹ کر بھی غور کریں تو ہمیں امریکہ، کینیڈا، اور دیگر مغربی ممالک میں بھی مسلم عورتوں پر تشدد، اور غیرت کے نام پر قتل کی خبریں وقتاً فوقتاً ملتی رہتی ہیں۔

عورتوں پر تشدد اور ان کی حق تلفی کو مغربی ممالک میں تو بری نظر سے دیکھا جاتا ہے، لیکن مسلم ممالک میں خواتین کے خلاف رویہ، اسلام کے نام پر تشدد، اور طالبان کے جہاد کی مذہبی توضیح کی جاتی ہے، گو کچھ لوگ معذرت خواہانہ انداز میں اسے قبائلی رسم ورواج قرار دینے کی کوشش کرتے ہیں۔

صاحبان فکر اور باشعور قارئین پر لازم ہے کہ وہ دورِ حاضر میں اسلام کے نام پر جہاد اور تشدد کی اصل وجوہ کو سمجھنے اور پرکھنے کی کوشش کریں۔ اس ضمن میں ریاست اور مذہب کے انعدام اور اس کے مقابلہ میں ریاست اور مذہب کی علیحدگی، یا سیکولرزم کا معاملہ نہایت اہم ہے۔ اگر ہم غور کریں تو ہمیں اندازہ ہوگا کہ مذہبی اقلیتوں کو خوش رکھنے کے لیئے خود برطانوی استعماری دورِ حکومت میں اربابِ اقتدار نے مذہبی خاندانی قوانین قائم کیئے جنہیں برِصغیر میں مسلم اور ہندو خاندانی قوانین کا نام دیا گیا۔ جنہیں انگریزی میں Mohammedan Family Law اور Indian Family Law کا نام دیا گیا، اسی طرح کے قوانین سوڈان اور دیگر ممالک میں بھی ترتیب دیئے گئے۔ یوں اس دور کے اسلامی عائلی قوانین کو مبینہ طور پر اسلامی شریعہ کا نام دینے کی کوشش کی گئی۔

ابھی حال ہی میں کینیڈا کے صوبہ اونٹاریو میں بھی خاندانی مقدمات میں اسلامی شریعہ کے استعمال کی کوشش کو ناکام بنایا گیا، جس کے ساتھ ساتھ خاندانی مقدمات میں کسی بھی مذہبی قانون کے استعمال کی اجازت ختم کر دی گئی، امریکہ سے بھی خاندانی مقدمات میں اسلامی شریعہ کے استعمال کی کوشش کی خبریں آتی رہتی ہیں، حال ہی میں برطانیہ کے دارالامرا میں پیش کی جانے والی ایک قرارداد میں برطانیہ میں مسلم خواتین کو جبری طور پر خاندانی معاملات میں جبری طور پر وہاں کی عام عدالتوں سے ماوراشرعی فیصلہ تسلیم کرنے کے معاملہ کو اٹھایا گیا ہے۔ اس بحث میں پیش کیئے گئے اعداد وشمار کے مطابق برطانیہ میں کم از کم پچاسی ایسے ادارے موجود ہیں جو قانونی یا غیر روایتی طور پر تنازعات کے فیصلے شرعی بنیادوں پر کر رہے ہیں۔

جب ہم ان معاملات کی بنیاد تک پہنچنے کی کوششیں کریں تو ہم نوآبادی نظام کے خاتمہ کے بعد اس فکر تک پہنچیں گے جو اسلامی نظام کی تجدید کی فکر سے شروع ہوگی جو جمال الدین افغانی، محمد عبدہ، اور محمد اقبال کے نظریات سے چلتی ہوئی مصر کے راشد رضا، حسن البنا، سید قطب، سعید رمضان، اور ہندو پاک کے سید مودودی کے افکار تک پہنچتی ہے۔ جن میں دنیا بھر میں ایک اسلامی ریاست کے قیام اور اس کے حصول کے لیے پرتشدد جہاد کے استعمال کی اہمیت اور ضرورت شامل ہے۔

راشد رضا چاہتے تھے کہ ایک ایسی اسلامی جماعت بنائی جائے جس کا صدر دفتر مکہ میں ہو اور شاخیں ہر اسلامی ملک میں۔ وہ اسلام کے وہابی اور سلفی نظریات کے بڑے حامی تھے اور سعودی حکمرانوں کے اہم حمایتی۔ راشد رضا کے بعد حسن البنا نے اخوان المسلمون قائم کی جسے مبینہ طور پر برطانوی حکومت کی حمایت حاصل تھی۔ سید قطب، حسن البنا کے بعد اخوان المسلون کے اہم ترین رہنما سمجھے جاتے ہیں۔ ان کے فلسفہ اور دورِ حاضر میں پرتشدد جہاد کے نظریہ کو سمجھنے کے لیے ان کی اہم کتاب ''معالم فی الطریق'' کو سمجھنا ضروری ہے، جس کے کئی زبانوں میں تراجم ہو چکے ہیں، انگریزی میں یہ کتاب، The Milestones کے نام سے شایع ہوئی ہے۔

اخوان المسلمون شروع ہی سے پرتشدد جدوجہد کا پرچار کرتی رہی ہے، اور اس پر مصر کے کئی سیاست دانوں کے قتل کا الزام بھی لگا ہے۔ اس کے علاوہ یہ مصر میں قائم مغربی ہوٹلوں وغیرہ پر بمباری کی ملزم بھی ٹھیرائی گئی ہے۔ امریکہ اور روس کی سرد جنگ میں اس نے امریکہ کا ساتھ دیا اور امریکہ سالہا سال سے اس جماعت کو اپنے عالمی عزائم کے لیئے استعمال کرتا رہا ہے۔

مولانا مودودی کی رہنمائی میں قائم کی جانے والی جماعت اسلامی کا اخوان المسلون سے گہرا تعلق ہے۔ اخوان المسلون کے ایک اہم رہنما سعید رمضان کئی بار پاکستان بھی گئے۔

مصر کی اخوان المسلمون اور پاکستان کی جماعت اسلامی نے منظّم طور پر مسلم ممالک میں اثر رسوخ قائم کرنا شروع کیا، ان کی کوششوں کے نتیجہ میں ان ممالک کے دانشور، صحافی، ماہرین قانون، صاحبانِ حکومت، افواج، غرض کے ہر پیشہ اور طبقۂ فکر کے افراد نے سید قطب کی فکر کو اپنایا۔

اس دوران امریکہ اور دیگر مغربی ممالک ان جماعتوں کو روس کے ساتھ سرد جنگ میں استعمال کرتے رہے۔ افغانستان میں روس کے ساتھ بالواسطہ جنگ کرنے کے لیئے امریکہ نے ان جماعتوں کو اپنے ساتھ شامل کیا اور روس کے خلاف جہاد میں ان جماعتوں کے ہزاروں ہمدردوں نے حصہ لیا۔

ان جماعتوں کے نزدیک اسلامی ممالک میں وہ افراد جو ریاست اور مذہب کی علیحدگی چاہتے ہیں، قابلِ تعزیر ہیں اور ان کے ساتھ سخت گیر رویہ اختیار کرنا چاہیئے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی ممالک میں روشن خیال اور آزاد خیال شہری ان جماعتوں کے تشدد کا شکار ہوتے ہیں۔

وہابی، سلفی نظریات کے تحت اخوان المسلون اور جماعتِ اسلامی، اسلامی شرعی اصولوں کی محدود اور راسخ العقیدہ تفہیم اور تشہیر کرتی ہیں۔ یہی وہ مسخ شدہ تفہیم ہے جو خواتین کو مردوں کا تابع قرار دیتی ہے، اور جس کے نتیجہ میں مسلم عورتیں کم تر درجہ کی شہری سمجھی جاتی ہیں۔

یہ بھی ذہن نشین کرنا ضروری ہے کہ، افغان مجاہدین، طالبان، مسلم ممالک میں دائیں بازو کے شہری اور اہلِ فکر پر اخوان المسلون اور جماعتِ اسلامی کے ان مسخ شدہ نظریات کا گہرا اثر ہے جو یہ جماعتیں اسلامی ریاستوں میں قائم کرنا چاہتی ہیں۔

یہ جماعتیں سیکولر نظریات کی سخت مخالف ہیں، اور دنیا میں اسلامی دہشت گردی میں ان کے حامیوں کا ملوث ہونا ایک ناگزیر حقیقت ہے۔ اس زمانہ میں القاعدہ کے اہم رہنما ایمن الظواہری اخوان المسلون ہی کی فکر کے حامل اور مبلغ ہیں۔ پاکستان کے سابق آمر جنرل ضیاالحق پر بھی اس فکر کا اثر تھا، اور پہلے افغان جہاد میں ان کا کردار سامنے کی بات ہے۔

یہاں یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ امریکہ جو سالہا سال سے ان جماعتوں کا حمایتی رہا ہے، اسے اب یہ جماعتیں اپنا دشمن گردانتی ہیں۔

دنیا میں اسلامی ریاست کے قیام کی کوششوں، اور پر تشدد جہاد کے بارے میں کچھ اہم کتابوں کا مطالعہ ضروری ہے، جن میں Devil's Advocate اور Chasing the Mirage لازمی کتب ہیں۔ جب تک ہم ان جماعتوں کے مسخ شدہ نظریات اور ان نظریات کی طابع قاتل ذہنیت کو نہیں سمجھیں گے اور ان کے تدارک کی منظّم کوشش نہیں کریں گے، مسلم ممالک سے ملالہ یوسف ذئی کی جیسی اور بھی خبریں آتی رہیں گی اور ہم زوال پذیر ہوتے رہیں گے۔